# Iqbal's Concept of Khudi and the Youth of the Contemporary Era

اقبال کا تصورِ خودی اور عہدِ حاضر کا نوجوان

**Dr. Talib Hussain Hashmi**
Assistant Professor (Adjunct), Department of Urdu, MY University Islamabad.
**Correspondence:** talib.hashmi@gmail.com

## Abstract

Great poets and philosophers are among the most precious assets of any nation. They are visionary minds who possess the power to alter the course of history and to guide nations toward their destined path. Throughout human history, it has been the consciousness, sensitivity and foresight of such individuals that have ignited intellectual awakenings and revolutionary movements. Among these rare figures stands Allama Muhammad Iqbal, whose thought and poetry transformed the lives of Muslims in the Indian subcontinent during the twentieth century. Through his philosophy and poetic expression, Iqbal awakened a nation that had grown complacent in ignorance and inertia, reminding them of their dignity, purpose and potential. At the heart of Iqbal's philosophy lies the concept of Khudi, which he described as the realisation of the self through moral strength, spiritual elevation, and creative action. This study investigates Iqbal's vision of Khudi and its relevance for the youth of the modern age. The primary objective is to explore how Khudi can serve as a guiding principle for contemporary generations facing identity crises, cultural decline, and the challenges of globalisation. Methodologically, the research draws upon a textual analysis of Iqbal's poetry and prose, supplemented by philosophical and sociological interpretations. The findings reveal that Iqbal's philosophy of Khudi is not merely a poetic idea but a transformative framework for individual and collective empowerment. It calls upon youth to cultivate self-awareness, moral courage and independence, thereby enabling them to rise above mediocrity and contribute to the rebuilding of society. In an age of material advancement yet spiritual emptiness, Iqbal's message remains a timeless call to balance modern progress with eternal value.

**Keywords:**
Iqbal, Khudi, Youth, Poetry, Philosophy, Selfhood, Empowerment.

**Received:** 15-9-2025 **Accepted:** 15-11-2025 **Online:** 31-12-2025

Licensed under CC BY-NC 4.0 (Non-Commercial, Attribution).
2025 [Author]. All rights reserved.

علامہ محمد اقبال برصغیر کے ان نابغۂ روزگار مفکرین میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے محض شاعری کو اظہارِ جذبات یا حسن و عشق کے قصے کہنے کا ذریعہ نہیں بنایا بل کہ اسے فکر و آگہی، اصلاحِ نفس اور بیداریِ ملت کا موثر وسیلہ قرار دیا۔ اقبال کا تصورِ خودی دراصل انسان کی باطنی قوت، شعورِ ذات اور احساسِ کرامتِ انسانی کا مظہر ہے۔ ان کے نزدیک انسان محض مٹی کا پتلا نہیں بل کہ اس کے اندر ایک ایسی روحانی توانائی مُضمَر ہے جو اگر بیدار ہو جائے تو وہ کائنات کی تقدیر بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ خودی علامہ اقبال کے فلسفہ حیات کا بنیادی ستون ہے جس کے ذریعے وہ مسلمان نوجوانوں کو اپنی کھوئی ہوئی عظمت، خود اعتمادی اور مقصدِ حیات کی بازیافت کی دعوت دیتے ہیں۔ اقبال نے اپنے عہد کے زوال پذیر معاشرے کو دیکھتے ہوئے یہ محسوس کیا کہ مسلمان قوم غلامی، جمود اور احساسِ کمتری کے شکنجے میں جکڑی جاچکی ہے۔ اس لیے انھوں نے نوجوان نسل کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر وہ اپنے وجود کی حقیقت کو پہچان لے، اپنے اندر عزم و یقین کی قوت پیدا کر لے تو وہ ایک نئی دنیا کی تشکیل کر سکتا ہے۔ ان کے نزدیک نوجوان ملت کا وہ سرمایہ ہے جس میں تخلیق، تعمیر اور انقلاب کی تمام تر صلاحیتیں پوشیدہ ہیں۔

عہدِ حاضر کا نوجوان جدید علوم، ٹیکنالوجی اور ثقافتی پیچیدگیوں کے بوجھ تلے اپنی شناخت کھو چکا ہے۔ مغربی تہذیب کی ظاہری چمک دمک نے اسے روحانی اَقدار سے دُور کر دیا ہے۔ ایسے میں اقبال کا تصورِ خودی ایک فکری و روحانی مشعلِ راہ بن کر سامنے آتا ہے جو نوجوان کو اپنے اندر کی قوتوں کو پہچاننے، مقصدِ زندگی طے کرنے اور اپنے وجود کو خالقِ کائنات سے جوڑنے کا درس دیتا ہے۔ علامہ اقبال کے نزدیک خودی کا کمال بندگی کامل اور عشقِ الٰہی میں ہے اور یہی وہ نقطۂ عروج ہے جہاں انسان اپنی اصل منزل کو پالیتا ہے۔ یہ مقالہ اسی پس منظر میں اقبال کے تصورِ خودی اور عہدِ حاضر کے نوجوان کے باہمی تعلق کو واضح کرنے کی ایک کوشش ہے، تاکہ موجودہ نسل اقبال کے افکار سے روشنی حاصل کر کے اپنی فکری و روحانی تشکیلِ نو کر سکے اور امتِ مسلمہ کی نشاۃِ ثانیہ میں اپنا کردار ادا کرے۔

اقبال کا تصورِ خودی دراصل ایک ہمہ جہت فلسفۂ حیات ہے جو فرد کو اپنی باطنی قوتوں کی پہچان، ان کی تربیت اور ان کے ارتقا کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اس کے مطابق انسان کی اصل کامیابی اپنی ذات کو مُنکشِف کرنے اور اس کی تکمیل میں مُضمَر ہے، کیوں کہ جب فرد اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا ہے تو نہ صرف اپنی زندگی کو معنی خیز بناتا ہے بل کہ کائنات کی قوتوں پر بھی غالب آنے کی سکت پیدا کرتا ہے۔ عہدِ حاضر کا نوجوان اگر اس فکر کو عملی قالب دے تو وہ محض ذاتی ترقی تک محدود نہیں رہتا بل کہ ایک اجتماعی نصب العین کے ساتھ جُڑ کر معاشرے کو نئی راہوں پر گامزن کرتا ہے۔ اقبال کے نزدیک خودی کی تکمیل تین بنیادی مراحل سے عبارت ہے: اطاعت، ضبطِ نفس اور نیابتِ الٰہی۔ ان مدارج کو طے کرنے والا نوجوان اپنے اندر ایسی روحانی

واخلاقی توانائی پیدا کرتا ہے جو نہ صرف اسے بامقصد زندگی عطا کرتی ہے بل کہ اُمتِ مسلمہ کی نشاۃِ ثانیہ کے خواب کو حقیقت میں بدلنے کی صلاحیت بھی بخشتی ہے۔

اِقبال کا نظریۂ خودی اپنے جوہر میں محض ایک فلسفیانہ تجویز یا ادبی استعلا نہیں بل کہ ایک ہمہ گیر فکری و عملی نظام ہے، جس کی معنویت عہدِ حاضر کے نوجوان کے لیے نہایت عمیق اور ہمہ جہت ہے۔ آج کا نوجوان فِکری انتشار، تہذیبی بحران اور معاشرتی کشمکش کے دوراہے پر کھڑا ہے، جہاں مادیّت کی چمک دمک اور مغربی فِکر کی یلغار نے اس کی شخصیت کو داخلی طور پر منتشر کر دیا ہے۔ ایسے میں اقبال کا نظریۂ خودی نوجوان کو اپنی باطنی قوتوں کی بازیافت اور اپنی ذات کے کمالات کی معرفت عطا کرتا ہے۔ اقبال کے نزدیک نوجوان اگر خودی کے اَسرار و رموز سے آشنا ہو جائے تو وہ نہ صرف اپنی فکری و رُوحانی صلاحیتوں کو جلا بخشتا ہے بل کہ اجتماعی سطح پر بھی اپنی ملت و معاشرے کی تقدیر سنوارنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

عہدِ حاضر میں جب کہ امتِ مسلمہ مختلف النوع سازشوں اور فکری بحرانوں میں الجھی ہوئی ہے، نوجوان نسل ہی وہ عنصر ہے جو اقبال کے خواب کی تعبیر بن سکتی ہے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ نوجوان مردِ مومن کے اس تصور کو اپنائے جس کی اساس خودی پر قائم ہے۔ مردِ مومن کی صفات مثالی اوصاف سے عبارت ہیں اور یہ اوصاف صرف اسی وقت نمو پا سکتے ہیں جب نوجوان اپنی ذات کی داخلی قوتوں کو پہچان کر ان کا مثبت استعمال کرے۔ اقبال نے خودی کو بے خودی کی تکمیل کی اولین شرط قرار دیا ہے، اس لیے نوجوان کی داخلی اصلاح اور اس کا اخلاقی تزکیہ ہی وہ کڑی ہے جس سے اجتماعی سطح پر ایک نیا اور مثالی تمدن پروان چڑھ سکتا ہے۔

اقبال کا فلسفۂ خودی عہدِ حاضر کے نوجوان کے لیے فکری توانائی، اخلاقی رہنمائی اور روحانی استحکام کا سرچشمہ ہے۔ اگر نوجوان اس پیغام کو صدقِ دل سے اختیار کرے تو وہ نہ صرف اپنی شخصیت کو کامل اوصاف سے آراستہ کر سکتا ہے بل کہ اپنی قوم اور اُمت کی نشاۃِ ثانیہ کا ضامن بھی بن سکتا ہے۔

اقبال بحیثیت مصلح ایک ایسی شخصیت کے طور پر اُبھرتے ہیں جن کی تمام فکری و عملی جہات کا مرکز و محور تصورِ خودی ہے۔ اقبال کی فِکر کا بنیادی نکتہ یہی ہے اور ان کے دیگر تمام نظریات اسی ایک سرچشمۂ خودی سے اپنی ماہیت و معنویت حاصل کرتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک نظامِ تعلیم بھی اسی تصور سے مشروط ہے؛ وہ تعلیم کو محض معلومات کے انبار یا فنون کی تحصیل تک محدود نہیں سمجھتے بل کہ اس کا سب سے اہم مقصد فرد کی خودی کی تربیت اور نشوونما قرار دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں تعلیم کا

حقیقی وظیفہ یہ ہے کہ وہ خودی اور بے خودی کے درمیان نہ صرف ایک مربوط تسلسل قائم کرے بل کہ دونوں کی افزائش اور بقا کی ضمانت بھی فراہم کرے۔ یہی توازن انسانی شخصیت کی تکمیل اور معاشرتی ارتقاء کا ضامن ہے۔

محمد احمد خان نے اپنی کتاب "اقبال اور مسئلہ تعلیم" میں اقبال کے تعلیمی تصور کے تین بنیادی مقاصد ان الفاظ میں بیان کیے ہیں:۔

۱۔ انسانی خودی کی بہتر نگہداشت اور نشو و نما۔

۲۔ خودی اور بے خودی کے مابین توازن اور تسلسل کا قیام۔

۳۔ خودی اور بے خودی کے بقا اور افزائش کو یقینی بنانا۔

گر اقبال کے بیان کردہ تعلیمی مقاصد کا باریک بینی سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ ان کی اساس دراصل تصورِ خودی ہی کے بنیادی ارکان پر اُستوار ہے۔ اقبال فرد کو محض انفرادیت کے محدود دائرے میں محصور رکھنے کے قائل نہیں بل کہ اسے تدریجاً اجتماعیت کی آغوش میں لانے کے خواہاں ہیں۔ یہی سبب ہے کہ وہ تعلیم کو پہلے فرد کی باطنی تربیت اور شخصیت کی تشکیل کا وسیلہ قرار دیتے ہیں تاکہ اس کی روشنی سے پورا معاشرہ منور ہو سکے۔ یوں ان کی فکر میں خودی اور بے خودی کا جو تسلسل اور ارتقاء کارفرما ہے، وہی تسلسل ان کے نظریۂ تعلیم میں بھی جلوہ گر نظر آتا ہے اور انہی خطوط پر انہوں نے اپنے تعلیمی مقاصد کی بنیاد رکھی۔ مزید برآں، اقبال کا ایک امتیازی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے نہ صرف مشرق و مغرب کے تعلیمی نظریات کا تنقیدی و تقابلی مطالعہ کیا بل کہ قرآنِ حکیم کی ہدایات کی روشنی میں ایک ہمہ گیر اور بامقصد نظامِ تعلیم مرتب کرنے کی کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افکار میں قرآنی حکمت و بصیرت کی گہری چھاپ نمایاں ہے جو ان کے تعلیمی و فکری نظریات کو ایک آفاقی جواز عطا کرتی ہے۔

اقبال کی فکر و فلسفہ برصغیر کے علمی و فکری سرمایہ میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کی شاعری محض جمالیاتی لذت یا فنی اظہار تک محدود نہیں بل کہ ایک زبردست اصلاحی اور انقلابی پیغام کی آئینہ دار ہے۔ اقبال کی فکر کا مرکزی نکتہ "خودی" ہے جو ان کے نظامِ فلسفہ، نظریۂ تعلیم، معاشرتی تصور اور سیاسی افکار میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ خودی دراصل انسان کے باطنی جوہر اور اس کی حقیقی شناخت کا نام ہے جس کے ذریعے وہ نہ صرف اپنی ذات کو پہچانتا ہے بلکہ کائنات پر غلبہ پانے اور زندگی کو بامقصد بنانے کی صلاحیت بھی حاصل کرتا ہے۔

اقبال کے نزدیک قوموں کی زندگی کا راز افراد کی خودی میں مُضمر ہے۔ اگر فرد اپنی خودی کو پہچان لے، اس کی تربیت کرے اور اسے پروان چڑھائے تو وہ اپنے آپ کو محض ایک معمولی وجود کے طور پر نہیں بل کہ نیابتِ الٰہی کے بلند مقام پر فائز کر سکتا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے اقبال کا فلسفہ خودی محض ایک انفرادی نظریہ نہیں بل کہ ایک اجتماعی ضابطۂ حیات بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کا پیغام آج کے نوجوان کے لیے غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے، کیوں کہ نوجوان کسی بھی ملت کا سرمایہ اور اس کے مستقبل کا ضامن ہوتے ہیں۔

عہدِ حاضر کا نوجوان ایک ایسے دور میں جی رہا ہے جہاں مغربی تہذیب کی چمک دمک، سائنسی ترقی، مادی اقدار اور سماجی انتشار نے اسے فکری و روحانی بحران میں مبتلا کر رکھا ہے۔ ایسے ماحول میں اقبال کا تصورِ خودی نوجوان کے لیے راہنمائی کا مینار ثابت ہو سکتا ہے، کیونکہ یہ تصور اسے اپنی اصل پہچان سے روشناس کراتا ہے اور اسے ایک ایسی زندگی کی طرف مائل کرتا ہے جو مقصدیت، عزیمت، عمل اور خود اعتمادی سے عبارت ہے۔

اقبال برصغیر کے اُن عظیم مفکرین میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے ملتِ اسلامیہ کو فکری، روحانی اور عملی طور پر بیدار کرنے کی سعی کی۔ ان کی فکر کا بنیادی نکتہ "خودی" ہے جو ان کے پُورے فلسفۂ حیات کی اساس اور ان کی شاعری کا مرکزی مضمون ہے۔ اقبال نے جس دور میں آنکھ کھولی وہ مسلمانوں کی سیاسی، سماجی اور فکری پسماندگی کا زمانہ تھا۔ زوالِ مسلم نے انھیں اس امر پر آمادہ کیا کہ وہ قرآن کی روشنی میں ایک ایسا نظریہ پیش کریں جو مسلمان کو اس کے کھوئے ہوئے وقار کی بازیابی میں مدد دے سکے۔ چناں چہ "خودی" کے تصور کو انھوں نے نہ صرف فلسفیانہ انداز میں واضح کیا بل کہ اس کو عملی تربیت اور تعلیمی مقاصد کے ساتھ جوڑ کر عہدِ حاضر کے نوجوان کے لیے ایک ضابطۂ حیات کی صورت میں پیش کیا۔ اقبال کی فکر میں خودی محض انانیت یا غرور کا نام نہیں بل کہ یہ دراصل اپنی ذات کی معرفت، صلاحیتوں کی تربیت اور خدائی امانت کا شعور ہے۔ اقبال نے "اسرارِ خودی" (۱۹۱۵ء) میں لکھی:

"زندگی کی حقیقت خودی ہے اور خودی کی حقیقت زندگی ہے۔"[۱]

ان کے نزدیک جب تک فرد اپنی ذات کی صحیح معرفت حاصل نہ کرے اور اس میں مضمر خداداد صلاحیتوں کو بیدار نہ کرے، اس وقت تک وہ نہ اپنی شخصیت کی تکمیل کر سکتا ہے اور نہ ہی ملت کے لیے کوئی تعمیری کردار ادا کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال نے قرآن کی اس آیت کو بار بار دہرایا:

"من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" یعنی جس نے اپنی ذات کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔"(۲)

اقبال نے خودی کی تربیت کو تین مراحل میں تقسیم کیا ہے: اطاعت، ضبطِ نفس اور نیابتِ الٰہی۔ اطاعت کے مرحلے میں نوجوان اپنے وجود کو الٰہی احکام کے تابع کرتا ہے اور نفس کی غلامی سے نکل کر ایک اعلیٰ نصب العین کی جانب بڑھتا ہے۔ ضبطِ نفس کا مرحلہ اس وقت آتا ہے جب وہ اپنی خواہشات کو قابو میں رکھ کر اپنی توانائی کو مثبت رخ پر صرف کرتا ہے۔ اقبال نے "بالِ جبریل" میں کہا:

"خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے"(۳)

یہ شعر دراصل خودی کے تیسرے مرحلے "نیابتِ الٰہی" کی وضاحت ہے کہ جب بندہ اپنے اندر اتنی قوت پیدا کر لیتا ہے کہ وہ خدا کے احکام کا مظہر بن جاتا ہے اور زمین پر خدائی امانت کا امین قرار پاتا ہے۔

عہدِ حاضر کے نوجوان کے لیے اقبال کا پیغام یہی ہے کہ وہ اپنی خودی کو پہچانے، اس کی پرورش کرے اور اسے بلند مرتبے تک لے جائے تاکہ وہ نہ صرف اپنی شخصیت کو نکھار سکے بل کہ ملتِ اسلامیہ کو بھی عروج و سربلندی عطا کر سکے۔

غلام مصطفیٰ خان اپنی کتاب "فکرِ اقبال کی تفہیم" میں لکھتے ہیں: "اقبال کی خودی دراصل فرد کی انفرادی تربیت کے ساتھ ساتھ اجتماعی ارتقا کی بھی ضامن ہے اور یہ نوجوان نسل کو ایک مثبت سمت عطا کرتی ہے۔"(۴)

اقبال کے نزدیک نوجوان اگر اپنے مقصدِ حیات کو فراموش کر دے اور مغربی مادہ پرستی میں کھو جائے تو اس کی زندگی بے معنی ہو جاتی ہے۔ اس لیے وہ مغربی فلسفے کی نقالی کے سخت مخالف تھے۔

"ضربِ کلیم" میں انہوں نے مغربی تعلیم پر تنقید کرتے ہوئے کہا:

"یقیں، محکم، عمل، پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں"(۵)

یہاں اقبال نوجوان کو واضح پیغام دیتے ہیں کہ اس کی اصل طاقت نہ یورپی علوم کی نقالی ہے اور نہ ہی محض مادی ترقی، بلکہ اس کی اصل قوت یقین، عمل اور عشقِ حقیقی ہے۔ اقبال کی خودی کا تعلق براہِ راست تعلیم سے بھی ہے۔

محمد احمد خان اپنی تصنیف ''اقبال اور مسئلہ تعلیم'' میں لکھتے ہیں کہ:

> ''اقبال نے تعلیم کے تین بنیادی مقاصد متعین کیے: (۱) انسانی خودی کی نگہداشت و نشوونما، (۲) خودی اور بے خودی میں توازن اور تسلسل، (۳) خودی اور بے خودی کے مابین تحفظ اور ان کی افزائش۔''(۶)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال تعلیم کو محض معلومات کا ذخیرہ نہیں سمجھتے بلکہ اس کے ذریعے وہ نوجوان کی شخصیت کو جلا بخشنے اور اسے ملت کا حقیقی خادم بنانے کے خواہاں تھے۔

اقبال نے ''رموزِ بے خودی'' میں اجتماعیت پر زور دیا اور بتایا کہ خودی کا ارتقا فرد کو قوم کی خدمت پر آمادہ کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

> ''فرد قائم ربطِ ملت سے ہے، تنہا کچھ نہیں''(۷)

اس طرح خودی اور بے خودی کا تعلق اقبال کی فکر میں دو متضاد نہیں بل کہ تکمیلی قوتیں ہیں۔ نوجوان پہلے اپنی ذات کو پہچان کر خودی کی تعمیر کرتا ہے، پھر اپنی ذات کو اجتماع کے لیے وقف کر کے بے خودی کے مقام پر فائز ہوتا ہے۔ یہی ارتقا دراصل ملتِ اسلامیہ کی بقا اور اس کی ترقی کی ضمانت ہے۔

اقبال نے مغربی اور مشرقی تعلیمی نظاموں کا گہرا مطالعہ کیا اور پھر قرآن کی روشنی میں ایک ایسا نظام مرتب کرنے کی کوشش کی جو نوجوان کو فکری، اخلاقی اور روحانی سطح پر تربیت فراہم کرے۔

سید نذیر نیازی ''مقالاتِ اقبال'' میں لکھتے ہیں:

> ''اقبال کے افکار پر قرآن حکیم کے اثرات اتنے گہرے ہیں کہ ان کے تعلیمی اور فکری نظریات کی جڑیں براہِ راست قرآنی تعلیمات میں پیوست ہیں۔''(۸)

اسی لیے اقبال نے نوجوان کو بار بار یہ تلقین کی کہ وہ قرآن کو محض ایک مذہبی کتاب کے طور پر نہ پڑھے بلکہ اسے ایک انقلابی منشور سمجھ کر اپنی زندگی میں نافذ کرے۔

عہدِ حاضر کے نوجوان کے لیے اقبال کا تصورِ خودی اس وقت اور بھی زیادہ اہم ہو جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ جدیدیت، مادہ پرستی اور سوشل میڈیا کی دنیا نے اسے اپنی اصل سے دور کر دیا ہے۔

اقبال نے اپنی نظم ''طلوعِ اسلام'' میں نوجوان کو پیغام دیا:

"نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی۔"[۹]

یہ شعر آج بھی نوجوان کو امید، حوصلہ اور عمل کا پیغام دیتا ہے کہ اگر وہ اپنی خودی کو بیدار کرے تو ہر قسم کی ویرانی کو زرخیز بنا سکتا ہے۔

انگلش محققہ این میری شمل (Annmarie Schimmel) اپنی کتاب *Gabriel's Wing* میں اقبال کی خودی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتی ہیں

> "Iqbal's concept of khudi is not egoism, rather it is the realization of the divine spark in man, which enables him to rise beyond material limitations"[10]

یہ تجزیہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ اقبال کی خودی دراصل انسان کے اندر موجود الوہی جوہر کی پہچان ہے جس کے ذریعے نوجوان اپنی حقیقی بلندی تک پہنچ سکتا ہے۔

یوں اقبال کا تصورِ خودی محض ایک فلسفیانہ خیال نہیں بل کہ ایک عملی نظامِ حیات ہے جو نوجوان کو انفرادی طور پر خود آگاہی اور اجتماعی طور پر ملت کی خدمت پر آمادہ کرتا ہے۔ عہدِ حاضر میں جب نوجوان مختلف بحرانوں، شناخت کے فقدان اور مادی دوڑ دھوپ میں الجھ گیا ہے، اقبال کی خودی اسے ایک نیا شعور بخشتی ہے اور اسے اس کی اصل پہچان سے روشناس کراتی ہے۔

علامہ اقبال کا تصورِ خودی محض ایک فلسفیانہ نظریہ نہیں بل کہ ایک مکمل نظامِ فکر ہے جو انسان کو اس کی فطری عظمت، روحانی توانائی اور تخلیقی قوت کا شعور بخشتا ہے۔ اقبال نے خودی کے ذریعے اس حقیقت کو اجاگر کیا کہ انسان اپنی تقدیر کا خود خالق ہے، بشرطے کہ وہ اپنے اندر چھپی ہوئی توانائیوں کو پہچانے اور اُنھیں مقصدِ اعلیٰ کے لیے بروئے کار لائے۔ ان کے نزدیک خودی کی بیداری ایمان، عمل، عشق اور تسخیرِ کائنات کا نام ہے۔ یہی وہ عناصر ہیں جو ایک مردِ مومن کو معاشرتی اور روحانی عروج کی منازل طے کراتے ہیں۔ عہدِ حاضر میں نوجوان طبقہ بظاہر تعلیم، ٹیکنالوجی اور مادی ترقی کے میدانوں میں آگے بڑھ رہا ہے، مگر روحانی و اخلاقی زوال، مقصدیت کی کمی، اور شناخت کے بحران نے اسے منتشر اور بے سمت کر دیا ہے۔ اقبال کی فکر اس جدید انسان کے لیے رہنمائی کا سرچشمہ بن سکتی ہے، کیونکہ ان کے نزدیک جدیدیت کی اصل روح مادیت نہیں بل کہ خودی کی بیداری اور اخلاقی خود مختاری ہے۔ اقبال کا پیغام نوجوان کو اس امر کی دعوت دیتا ہے کہ وہ اپنے اندر ایمان کی حرارت پیدا کرے، اپنے

وجود کو تسلیم کرے، اپنی خودی کو فنا نہیں بل کہ بقا کے لیے بروئے کار لائے، اور زندگی کے ہر میدان میں قیادت و خدمت کا جذبہ پیدا کرے۔

اقبال کے تصورِ خودی کا بنیادی مقصد ایک ایسا انسان تراشنا ہے جو عبد بھی ہو اور خالقِ کائنات کا نائب بھی؛ جو عشقِ حقیقی میں سرشار ہو مگر عقل و علم کے ہتھیاروں سے مسلح بھی؛ جو اپنی ذات کی تعمیر کے ساتھ ساتھ ملت و انسانیت کی فلاح کا ضامن بھی ہو۔ اگر عہدِ حاضر کا نوجوان اقبال کے پیغامِ خودی کو سمجھ لے اور اسے عملی زندگی میں اپنائے، تو وہ نہ صرف اپنی انفرادی زندگی میں بلندی حاصل کر سکتا ہے بل کہ امتِ مسلمہ کی اجتماعی تقدیر کو بھی بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ اقبال کا تصورِ خودی آج بھی ایک زندہ اور فعال فکر ہے جو وقت کے ہر دور میں انسان کو بیداری، عمل، ایمان اور عشقِ حقیقی کا درس دیتی ہے۔ یہی تصور نوجوان نسل کے لیے روشنی کا مینار ہے، جو اسے نہ صرف اپنی شناخت واپس دلانے میں مدد دیتا ہے بلکہ اسے اس مقامِ بلند تک پہنچاتا ہے جہاں انسان اپنی خودی کی تکمیل کے ذریعے خالقِ کائنات سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے۔

## حوالہ جات


۱. محمد اقبال، اسرارِ خودی، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۱۵ء)، ص ۱۷

۲. محمد اقبال، ضربِ کلیم، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۳۶ء)، ص ۴۵

۳. محمد اقبال، بالِ جبریل، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۳۵ء)، ص ۹۲

۴. محمد احمد خان، اقبال اور مسئلۂ تعلیم، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء)، ص ۱۳۳

۵. محمد اقبال، ضربِ کلیم، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۳۶ء)، ص ۶۷

۶. محمد احمد خان، اقبال اور مسئلۂ تعلیم، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء)، ص ۲۱۱

۷. محمد اقبال، رموزِ بے خودی، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۱۸ء)، ص ۵۶

۸. سید نذیر نیازی، مقالاتِ اقبال، (لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۶۷ء)، ص ۸۹

۹. محمد اقبال، بالِ جبریل، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۳۵ء)، ص ۱۲۰

10. Annemarie Schimmel, Gabriel's Wing: A Study into the Religious Ideas of Sir Muhammad Iqbal, (Leiden: Brill, 1963), p. 142